جبکہ اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو گیا تھا۔ شریعت و سنت سے بے اعتنائی عام ہو گئی تھی۔ دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی۔ بادشاہ کی اس بے راہ روی نے عوام کی زندگی پر بھی اثر ڈالا۔ حد یہ ہے کہ مدرسے اور خانقاہیں بھی ان مسموم اثرات سے محفوظ نہ رہ سکیں ان حالات میں آپ نے شریعت و سنت کی آواز بلند کی۔ درس و تدریس کا یہ ہنگامہ شیخ محدث نے زندگی کے آخری لمحات تک جاری رکھا۔ ان کا مدرسہ دہلی ہی میں نہیں بلکہ سارے شمالی ہندوستان میں ایک امتیازی شان رکھتا تھا۔ سیکڑوں کی تعداد میں طلبہ استفادہ کے لئے جمع ہوتے تھے۔ شیخ محدث کا یہ دارالعلوم اس طوفانی دور میں شریعت اسلام اور سنت نبوی کا سب سے بڑا پشت پناہ تھا۔ مذہبی گمراہیوں کے باد سموم چاروں طرف سے اس دارالعلوم کے بام و در سے ٹکرائیں لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی جنبش پیدا نہ ہوئی اور اپنے عزم و استقلال سے وہ کارنامہ انجام دیا جو دوسرے علماء کے نزدیک ناممکن سا ہو کر رہ گیا تھا۔

شیخ محدث سلیم شاہ سوری کے زمانہ میں پیدا ہوئے آپ نے مختلف بادشاہوں کا دور دیکھا لیکن آپ نے سلاطین یا ارباب حکومت سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا البتہ اکبر کے انتقال کے بعد آپ نے بادشاہوں سے تعلق رکھنا ضروری خیال کیا۔ محض اس خیال سے کہ دین کی صحیح تعلیم ان تک پہونچائی جائے۔ آپ نے رسالہ نورانیہ سلطانیہ تصنیف کیا اور اس میں قواعد و ارکان سلطنت پر تفصیلی بحث کی۔ اس کے بعد آپ نے چالیس احادیث کا ایک مجموعہ تیار کیا جس میں رسول اللہ ﷺ نے سلاطین کو نصیحتیں فرمائی تھیں۔ اس رسالہ کا نام ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین" رکھا۔ ۱۰۱۸ھ میں آپ جہانگیر سے ملاقات کے لئے اس کے دربار میں بھی تشریف لے گئے۔ جہانگیر نے شیخ کی وضع توکل سے متاثر ہو کر ایک گاؤں سے "بکروالا" جاگیر کے طور پر شیخ کے سامنے پیش کیا۔ شیخ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا لیکن بادشاہ کے پیہم اصرار پر اسکو قبول کر لیا۔ آخری زمانہ میں شیخ کے تعلقات جہانگیر سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ آخر کار یہ آفتاب علم ۹۴ سال تک فضلائے ہند کو اپنی ضوفشانی سے منور رکھنے کے بعد ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بانوے سال کی طویل عمر پائی اور عمر کا بیشتر حصہ تصنیف
و تالیف میں صرف کر دیا آپ اپنے عہد کے یکتائے روزگار عالم اور امام حدیث تھے۔ آپ تفسیر
حدیث، فقہ، تصوف، تاریخ، نحو، فلسفہ و منطق میں عدیم المثال تھے۔ آپ کی ساری تصانیف
حقیقی و دائمی شہرت کی مالک ہیں۔ ان میں سے چند کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

١۔ اشعۃ اللمعات فی شرح مشکوٰۃ:۔ فارسی زبان میں مشکوٰۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح
ہے۔ شیخ عبدالحق محدث نے یہ عظیم الشان کارنامہ ١٠١٩ھ میں دہلی میں شروع کیا تھا۔ ١٠٢٥ھ
میں چھ سال کی محنت کے بعد آپ نے مکمل کیا۔ اشعۃ اللمعات چار جلدوں پر مشتمل ہے اور مطبع
نول کشور سے شائع ہو چکی ہے۔ پہلی جلد میں علم الحدیث اور محدثین پر اتالیس صفحات کا ایک
مقدمہ ہے جس میں علم حدیث اور اقسام حدیث پر نہایت عالمانہ اور بصیرت افروز تبصرہ ہے
امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام ترمذیؒ، امام سجستانیؒ، امام
نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، امام دارمیؒ، امام دارقطنیؒ، ابن جوزیؒ وغیرہ کے حالات مختصراً لکھے گئے ہیں۔
پہلی جلد میں کتاب الایمان، کتاب العلم، کتاب الطہارات، کتاب الجنائز کو شامل کیا گیا ہے دوسری جلد
میں کتاب الزکوٰۃ سے کتاب المناسک تک کی شرح ہے۔ اور تیسری جلد میں کتاب البیوع سے کتاب
العتق والرق کی شرح ہے۔ اور چوتھی اور آخری جلد میں کتاب الآداب اور کتاب الفتن کو
شامل کیا گیا ہے۔ چاروں جلدیں ٢٦٥٥ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اشعۃ اللمعات کے قلمی نسخے اسلامیہ
کالج پشاور، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ، برٹش میوزیم، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ وغیرہ میں دستیاب
ہیں۔ آپ نے یہ کتاب اکیانوے سال کی عمر میں لکھی۔

٢۔ لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح: عربی زبان میں مشکوٰۃ کی نہایت جامع شرح ہے
یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے جب آپ اشعۃ اللمعات کی تصنیف فرما رہے تھے تو بعض مضامین ایسے
آئے جن کی تشریح فارسی میں مناسب نہ سمجھا۔ فارسی عوام کی زبان تھی اور بعض مباحث میں شیخ
محدث نے عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف سمجھا اور ان کو فارسی کی شرح میں نظر انداز کر دیا
پھر آپ نے لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح نام کی شرح لکھی۔ اس میں آپ نے لغوی، نحوی
مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدگی سے حل کیا۔ لمعات کے قلمی نسخے بانکی پور، رام پور

حیدرآباد، ایشیاٹک سوسائٹی، دہلی، علی گڑھ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ۲۴ رجب ۱۰۲۵ھ کو شیخ محدث لمعات التنقیح سے فارغ ہوئے۔

۳۔ جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین:۔ اس کتاب میں چالیس ایسی احادیث جمع کی گئی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کو نصیحتیں فرمائی ہیں۔ حکومت کے ڈھنگ سکھلائے ہیں۔ امیر کا مامور سے اور مامور کا امیر سے کیا تعلق ہونا چاہیئے اس پر آپ نے روشنی ڈالی ہے۔ اسی کتاب کو شیخ محدث نے فارسی میں ترجمہ کر کے شاہجہاں کی خدمت میں پیش کیا اور اس کا نام ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین رکھا۔

۴۔ ماثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ:۔ اس کتاب میں ماہ محرم سے ماہ ذی الحجہ تک ان تمام مذہبی مناسک کا ذکر ہے جو احادیث سے ثابت ہیں۔ یوم عاشورہ کے بارے میں جو احادیث صحیح ہیں ان کو نقل کیا ہے اور ان احادیث کی یکسر تردید کر دی ہے جو محرم کے سلسلے میں گھڑ لی گئی ہیں۔ مثال کے طور پر عاشورہ کے دن غسل کرنے والا کبھی بیمار نہیں ہوتا۔ اس حدیث کو شیخ محدث نے لغو اور باطل قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ روزہ، تراویح، عیدالفطر، عیدالاضحیٰ، حج وغیرہ کے سلسلے میں جو احادیث تھیں ان کو آپ نے یکجا کر دیا ہے۔ اس کتاب کے قلمی نسخے بانکی پور، رامپور، دہلی، حیدرآباد کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۵۔ شرح سفر السعادات:۔ یہ کتاب سفر السعادات مولانا مجدالدین فیروزآبادی کی تصنیف ہے اس میں احوال، معاش اور عبادات سے متعلق احادیث نبویہ کو جمع کیا گیا ہے شیخ محدث نے اس کتاب کی احادیث کے پیش نظر اس کی شرح لکھی اور اس کا نام شرح سفر السعادات رکھا۔ اس کتاب میں شیخ محدث نے ان لغزشوں اور خامیوں کی نشاندہی کر دی ہے جہاں مولانا فیروزآبادی حد اعتدال و جادۂ انصاف سے باہر چلے گئے تھے۔ یہ شرح تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں مولانا فیروزآبادی کے بیان کردہ احادیث پر محدثانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصے میں مجتہدین پر بحث ہے اس حصے کی خصوصیت یہ ہے کہ اسمیں حنفی مسلک کے اصولوں کی زبردست حمایت کی گئی ہے۔ تیسرے حصے میں شرعی احکام کو قدرے تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ شرح سفر السعادات ۱۲۵۳ھ میں کلکتہ سے، ۱۸۷۵ء، ۱۸۸۵ء میں لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

[illegible] شرح کے ... [illegible]

موجود ہیں ۔

۴ ۔ تکمیل الایمان و تقویۃ الایمان :۔ شیخ محدث نے اس کتاب میں عقائد اسلام اور قواعد ملت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے ۔ یہ کتاب ۱۸۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ لیکن مضمون کی تنوع اور جامعیت کے اعتبار سے یہ ... صفحات پر بھاری ہے ۔ اس کتاب میں ایمان کی نوعیت ، جبر واختیار ، عذاب قبر ، بعثت ، معراج ، شفاعت ، جنت و دوزخ ، توبہ ، استمداد از قبور ، معجزات اہل بیت وغیرہ جیسے عنوانات موجود ہیں ۔ شیخ محدث نے ان عنوانات کے صحیح مذہبی نقطۂ نظر کو نہایت وضاحت اور صفائی سے [illegible]

بہت مقبولیت حاصل ہوئی ۱۸۷۳ء میں میر علی نے اس کا اردو ترجمہ سبیل الجنان کے نام سے کانپور سے شائع کیا ۔ ۱۸۸۱ء میں دوسرا ایڈیشن طبع ہوا ۔ اس کتاب کے قلمی نسخے برٹش میوزیم ، حیدرآباد ، انڈیا آفس ، ایشیاٹک سوسائٹی ، بانکی پور وغیرہ میں موجود ہیں ۔ (باقی آئندہ)

تعلیقات و حواشی

(۱) محدث دہلوی ، عبدالحق ، اخبار الاخیار ، مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ ، ص ۲۹۲ ۔

(۲) نفس مصدر (۳) نفس مصدر ، ص ۳۰۰

(۴) نفس مصدر ، مصنف اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۲ پر شیخ سیف الدین کی ان کو نصیحتوں کو قلمبند کرتا ہے ۔ جو باپ نے بیٹے کو اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی اور کج بحثی کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا ۔ چاہیئے کہ کسی علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہونچاؤ ۔ اگر یہ سمجھ کر دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھاؤ اگر نہ مانے تو کہو کہ مجھے یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو ۔ پھر جھگڑے کی کیا بات ہے ۔ فرمایا کرتے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے یہ لا حاصل چیز ہے اس سے منافرت و مخالفت کے رستے کھلتے ہیں ۔ علمی مسائل میں محبت و الفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیئے کہ یہ محبت کا معاملہ ہے ۔ جسے محبت نہیں وہ کیا کرے گا ۔ (۵) نفس مصدر ، ص ۳۰۵ ۔

(۶) محدث دہلوی ، عبدالحق ، تالیف قلب الالیف (قلمی) بحوالہ نظامی ، خلیق احمد ، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی ۱۹۵۳ء ، ص ۱۱۰ ۔

"سرسید اور علی گڑھ تحریک"

مولانا انظر شاہ کشمیری، صدر مدرس (وقف) دارالعلوم دیوبند

سلسلے رہے ہیں مہیا ہوتے رہیں گے، اور کیوں نہ ملیں گے، جب تقسیم کرنے والے نے ازل پر یہ نقشہ اسی طرح بٹھایا، علم میں جہالت تلاش کرنے والے جہل کی اندھیری میں علم کی روشنی دیکھنے والے، تندرستی میں بیماری اور نحوری کے متلاشی، انحطاط صحت میں تندرستی کے جویا دنیا میں دین کے طالب، دنیا کو دین کے تابع ماننے والے بالفاظ دیگر دنیا داروں میں سچے دین کے حامل اور حاملین دین میں دنیا کے پیچھے دوڑنے والے، دیکھ جائیے اور خوب غور سے دیکھئے، جائزہ لیجئے اور اندر جھانک کر جو کچھ عرض کر رہا ہوں۔ قدم قدم پر دلنواز اور مہیب مناظر سامنے آتے رہیں گے۔

خونخوار ملوکیت کی تاریخ، رحدلی کی مثالیں، رحم دوست حلقہ میں قساوت کی بھیانک تصویریں کون کہتا ہے کہے گا تو کب صحیح ہوگا کہ کوئی ایک خصوصیت کسی خاص حلقہ کی میراث بن کر رہ گئی۔

دین اور دنیا میں تفریق کے قائل اسی طرح کے مغالطہ میں مبتلا ہیں، جیسا کہ شریعت اور طریقت و حقیقت میں علیحدگی کے بیج ڈال دیئے گئے، حالانکہ بات بہت مختصر ہے سمجھنے میں نہ کوئی معمہ نہ چیستاں، شریعت شعل ہے طریقت کی راہ اسی کی روشنی میں طے ہوگی، قطع مسافت کے بعد جب منزل مقصود پر پہونچیں گے وہی حقیقت ہوگی۔

لیجئے ان تینوں حقائق کو جو بغلگیر ہیں، دست و گریباں کرنے والوں نے ہر ایک کی کائنات علیحدہ ہی کر کے چھوڑی۔ اسی طرح سنانے والے صدیوں سے سنا رہے ہیں سناتے ہی رہیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور زور ترک دنیا پر تھا گویا آپ کی رسالت کا محور اور ختم نبوت کا مرکز لے دے کر صرف ترک دنیا کی تعلیم ہے اور اسے بھول جاتے ہیں کہ آپ کے براہ راست تربیت کردہ حلقہ میں جنھیں دنیا صحابہ رضوان علیہم اجمعین کے معتبر و مزعفر نام سے جانتی ہے اس میں کچھ ایسے بھی جن کے دنیا سے گذر جانے کے بعد میراث میں موجود سونے کے ٹکڑوں کو کاٹنے کے لئے کلہاڑی سے کام لیا گیا، ترک دنیا کے ان منبری و محرابی مواعظ نے غریب مسلمانوں کو معاشیات واقتصادیات میں

اس شرح کے قلمی نسخے انڈیا آفس حیدرآباد، کلکتہ مدرسہ پشاور اور بانکی پور کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۴۔ تکمیل الایمان و تقویۃ الایمان:۔ شیخ محدث نے اس کتاب میں عقائد اسلام اور قواعد ملت کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ کتاب ۸۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن مضمون کی تنوع اور جامعیت کے اعتبار سے یہ ۸۰ صفحات پر بھاری ہے۔ اس کتاب میں ایمان کی نوعیت، جبر و اختیار، عذاب قبر، بعثت، معراج، شفاعت، جنت و دوزخ، توبہ، استمداد از قبور، معجزات اہل بیت وغیرہ جیسے عنوانات موجود ہیں۔ شیخ محدث نے ان عنوانات کے صحیح مذہبی نقطۂ نظر کو نہایت وضاحت اور صفائی سے پیش کیا ہے۔ حجم میں کم اور سلجھی ہونے کی وجہ سے اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ۱۸۷۳ء میں میر علی نے اس کا اردو ترجمہ سبیل الجنان کے نام سے کانپور سے شائع کیا۔ ۱۸۸۱ء میں دوسرا ایڈیشن طبع ہوا۔ اس کتاب کے قلمی نسخے برٹش میوزیم، حیدرآباد انڈیا آفس، ایشیاٹک سوسائٹی، بانکی پور وغیرہ میں موجود ہیں۔ (باقی آئندہ)

تعلیقات و حواشی

(۱) محدث دہلوی، عبدالحق، اخبار الاخیار، مطبع مجتبائی ۱۳۳۲ھ، ص ۲۹۲۔

(۲) نفس مصدر (۳) نفس مصدر، ص ۳۰۰

(۴) نفس مصدر، مصنف اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۲ پر شیخ سیف الدین کی ان نصیحتوں کو قلمبند کرتا ہے۔ جو باپ نے بیٹے کو اپنے زمانے کے علماء کی بے راہ روی اور کج بحثی کو دیکھ کر ارشاد فرمایا تھا۔ "چاہیئے کہ کسی علمی بحث میں جھگڑا نہ کرو اور تکلیف نہ پہونچاؤ۔ اگر یہ سمجھ کر دوسرا حق بجانب ہے تو اس کی بات مان لو اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس کو دو تین بار سمجھا دو اگر نہ مانے تو کہو کہ مجھے یہی معلوم ہے ممکن ہے کہ جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہو۔ پھر جھگڑے کی کیا بات ہے۔ فرمایا کرتے کہ علمی بحث میں جو جنگ کی جاتی ہے وہ صرف اپنے نفس کے واسطے ہوتی ہے یہ لاحاصل چیز ہے اس سے منافرت و مخالفت کے سوتے ابلتے ہیں۔ علمی مسائل میں محبت و الفت سے تبادلۂ خیالات ہونا چاہیئے کہ یہ محبت کا معاملہ ہے۔ جسمیں محبت نہیں وہ کیا کرے گا۔ (۵) نفس مصدر، ص ۳۰۵۔

(۶) محدث دہلوی، عبدالحق، تالیف قلب الالیف (قلمی) بحوالہ نظامی، خلیق احمد، حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندوۃ المصنفین اردو بازار دہلی ۱۹۵۳ء، ص ۱۱۰۔

"سرسید اور علی گڑھ تحریک"

مولانا انظر شاہ کشمیری، صدر مدرس (وقف) دارالعلوم دیوبند

ملتے رہے ہیں، مہیا ہوتے رہیں گے، اور کیوں نہ ملیں گے، جب تقسیم کرنے والے نے ازل میں تقسیم کا نقشہ اسی طرح جمایا، علم میں جہالت تلاش کرنے والے، جہل کی اندھیری میں علم کی روشنی دیکھنے والے، تندرستی میں بیماری اور مجبوری کے متلاشی، انحطاط صحت میں تندرستی کے جویا، دنیا میں دین کے طالب، دنیا کو دین کے تابع بنانے والے بالفاظ دیگر دنیاداروں میں سچے دین کے حامل اور حاملین دین میں دنیا کے پیچھے دوڑنے والے، دیکھ جائیے اور خوب غور سے دیکھئے، جائزہ لیجئے اور اندر جھانکئے جو کچھ عرض کر رہا ہوں۔ قدم قدم پر دلنواز اور مہیب مناظر سامنے آتے رہیں گے۔

خونخوار ملوکیت کی تاریخ، رحمدلی کی مثالیں، رحم دوست حلقہ میں قساوت کی بھیانک تصویریں کون کہتا ہے، کہے گا تو کب صحیح ہوگا کہ کوئی ایک خصوصیت کسی خاص حلقہ کی میراث بن کر رہ گئی۔

دین اور دنیا میں تفریق کے قائل اسی طرح کے مغالطہ میں مبتلا ہیں، جیسا کہ شریعت اور طریقت و حقیقت میں علیحدگی کے بیج ڈال دیئے گئے، حالانکہ بات بہت مختصر ہے سمجھنے میں نہ کوئی معمہ نہ چیستاں، شریعت مشعل ہے طریقت کی راہ اسی کی روشنی میں طے ہوگی، قطع مسافت کے بعد جب منزل مقصود پر پہونچیں گے وہی حقیقت ہوگی۔

لیجئے ان تینوں حقائق کو جو بغلگیر ہیں، دست و گریباں کرنے والوں نے ہر ایک کی کائنات علیحدہ ہی کر کے چھوڑی۔ اسی طرح سنانے والے صدیوں سے سنا رہے ہیں سناتے ہی رہیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھرپور زور ترک دنیا پر تھا گویا آپ کی رسالت کا محور اور ختم نبوت کا مرکز سلے دے کر صرف ترک دنیا کی تعلیم ہے اور اسے بھول جاتے ہیں کہ آپ کے براہ راست تربیت کردہ حلقہ میں جنھیں دنیا صحابہ رضوان علیہم اجمعین کے معتبر و مزعفر نام سے جانتی ہے اس میں کچھ ایسے بھی جن کے دنیا سے گذر جانے کے بعد میراث میں موجود سونے کے ٹکڑوں کو کاٹنے کے لئے کلہاڑی سے کام لیا گیا، ترک دنیا کے ان منبری و محرابی مواعظ نے غریب مسلمانوں کو معاشیات و اقتصادیات میں

... زوال کے سقیم وعقیم درجہ تک پہونچا کر چھوڑا کاش یہ خوش بیان واعظ اور سحر البیان مقرر مسلمانوں کے ... کو کردار و دم ریز کے اصول کو سامنے رکھکر دنیا گریز سبق سنانے کے بجائے دنیا میں انہماک سے رکھتے۔ یہ ظلم بھی مسلم معاشرہ پر انھیں واعظین کیطرف سے ہوتا رہا کہ پیشہ کی رذالت دماغوں اور دلوں کے رگ و ریشہ میں پیوست کر دی نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا کہ بھاگ دوڑ کی اس دنیا میں دوسری قومیں بھاگم بھاگ منزل پر جا پہونچیں اور غریب مسلمان کسب واکتساب کی راہ میں صنعتوں کا انتخاب عزت وذلت کے پیمانے سے ناپ ناپ کر کرتا رہا، اس مظلوم مسلمان کو کبھی یہ بھول کر نہیں بتایا گیا کہ اس کے آباء واجداد بلکہ جہانِ علم کے مسند نشیں بزاز بھی تھے اور قفال بھی صباغ بھی تھے اور دباغ بھی عطار بھی تھے اور قصار بھی، حلوائی بھی تھے اور زعفرانی بھی، سب ہی کچھ تھے اور سب نے علم و کمال کی بلندیوں پر قدم اس مضبوطی سے جمائے کہ آج انھیں کے تذکروں سے تاریخ جگمگا رہی ہے، درسگاہیں ان کے تذکار سے بسر پُر، علمی عقدے ان کے اقوال سے حل، علمی رفعتیں ان کی آراء سے بلند تر، بات لمبی ہوتی جا رہی ہے کہنا یہ ہے کہ ایک حلقہ میں سرسید احمد خاں صرف اس لئے مجروح کہ مسلم معاشرہ کو دوڑتی بھاگتی دنیا سے ہمقدم ہونے کا بھیانک جرم کیوں کیا؟ دوسری جانب حضرت مولانا محمد قاسمؒ اس لئے معتوب کہ گھیر گھار کر مسلم نسل کو مدارس کی چہار دیواری میں محصور کیوں کر دیا؟

دماغی اعتبار سے معطل طبقہ جس کا علم ذرا کچھ گھسا گھسایا ہوا سرسید کی تکفیر میں پھیپھڑوں کی پوری قوت صرف کر رہا ہے ادھر دانشور طبقہ "قل اعوذ بہ" "کا طنز اور" مسجد کے بوریئے و مصلے سمیٹنے والے" کے دلآزار نشتر چبھو رہا ہے۔ کہنے دیجئے کہ دونوں خیال منزل سے بہت دور اور سوچنے کے ہر دو انداز یکسر غلط۔

مولانا محمد قاسم صاحبؒ دین کے ساتھ دنیا سے غافل نہ تھے اور سرسید دنیا میں دین کی جوت جگائے ہوئے تھے۔ تفریق کی تخم کاری ہم اور آپ کر رہے ہیں، سرسید کے مذہبی رجحانات کو جمع و تقسیم کرنے کے کاوشوں و کاہشوں کا طویل سلسلہ قائم کریں گے، مگر میرے لئے ان کا صرف ایک ہی واقعہ ان کے دینی رجحانات کو مستند کرنے میں کافی وافی بلکہ شافی ہے۔

واقعہ وقار الملک کا ہے کلکٹری میں کام کرنے کے دوران کسی اور کی جانب سے نہیں براہِ راست حاکم ضلع کی وقار الملک کے اہتمام نماز پر مسلسل نکیر ہے اسی گرفت پر وقار الملک کی درخواست میں تین

اجرا کیا۔

(۱) ادائیگی نماز کے لئے وقت دیا جائے (۲) اس وقت کی تنخواہ وضع کی جائے (۳) چھ ماہ کی رخصت دی جائے۔

غالباً اس آخری جز کا مقصد اس عرصہ میں متبادل روزگار کی فراہمی ہے، درخواست غیر مناسب دیے جانا نہیں ہے عفیفہ و محصنہ عالیہ کا صائب مشورہ موجود ہے کہ لگے ہوئے روزگار کو نہ چھوڑو، مگر جس کو کافر کہا جا رہا ہے اور جس کی تکفیر کے لئے زمین و آسمان کے قلابے ملائے جا رہے ہیں، اسی مظلوم سرسید کی غیرتِ دینی اس مناسب و متوازن درخواست کو بھی برداشت نہ کر سکی کسی اور کو نہیں وقار الملک کو تہدید آمیز لہجہ میں مخاطب کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے خرابی سے ادا کریں یا قضا کریں لیکن کوئی شخص اگر کہے کہ تم نماز مت پڑھو اس کا صبر ایک لمحہ بھی نہیں ہو سکتا یہ بات سنی بھی نہیں جا سکتی ہے میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا صرف گناہ ہے جس کے بخشے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی نہ بخشا جائے گا۔ تم کو پہلے ہی اپنی طرف سے ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی اور جب ایسا طریقہ اختیار نہیں کیا تو پھر لجلجانا اور گڑگڑانا اور حضور رخصت ہی دیں، تنخواہ کاٹ لیں کہنا واہیات تھا تڑاخ پڑاخ استعفاء دے دینا تھا اور کہہ دینا تھا کہ میں اپنے عظیم الشان قادر مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا نہ کہ آپ کی، کیا ہوتا؟ نوکری میسر نہ آتی فاقہ مر جاتے نہایت اچھا ہوتا۔"

مکتوب کا ایک ایک لفظ اس پر جوش و پر ہوش گرمی کا غماز ہے جس کا سرچشمہ دینی حمیت و دینی غیرت ہے،

میں جانتا ہوں کہ اوپر کی چند سطور پر بعض حلقے بحث کریں گے اور اپنے اسی محبوب مشغلہ تکفیر کی آبیاری میں تنقیص کے روادار نہ ہوں گے، لیکن میرا مقصود اس جذبہ کو نمایاں کرنا ہے جو اس مکتوب کے مندرجات میں لفظ لفظ سے عیاں ہے، نماز ایسے فریضہ کی ادائیگی میں بے جا مداخلت کو دینی جذبات سے روکنے کے بے پناہ جذبہ کو خدا تعالیٰ جو رحمٰن، رحیم اور ارحم الرحمٰن ہے اور ساتھ ہی نکتہ نواز اس کی صفت مغفرت و وصف غفاریت رائیگاں نہیں جانے دے گا۔

تحقیقاتی مقالوں کا آجکل یہ بھی دستور ہے کہ جس پر جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس کا ماحول، آباء واجداد کے افکار و عقائد، گرد و پیش کا جائزہ، گھر گھرانہ کا تجسس، مرزی حلقہ کا تفحص، سب کچھ دیکھ لیا جاتا ہے۔ شخصیت کو پرکھنے کے لئے راہیں تو یہ کارآمد حدود جاندار ہیں تاہم اس بحث و تمحیص میں بعض اوقات وہ دور کی کوڑی بھی لائی جاتی ہے جس سے متعلقہ شخصیت کا قریب و بعید میں کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مگر میرا خیال ہے کہ عصر حاضر کے یہ پسندیدہ مباحث مالک الملک کی اس قدرت و قادریت کو کبھی چیلنج نہیں کر سکتے کہ وہ آزر کے گھر میں ابراہیم، اور توحید کے پرچم اڑانے والے نوح کے یہاں کنعان پیدا کرتا رہا اور کرتا رہے گا۔ پھر یہ بھی تو بات ہے کہ بعض شخصیتیں اپنے حدود میں اتنی طاقتور ہوتی ہیں کہ وہ مذکورہ بالا تمام حصار بندیوں کو توڑ دیتی ہیں اور سرسید ایسی ہی جیتی جاگتی شخصیت کے مالک تھے اس لئے میرا خیال ہے کہ سرسید کے افکار و عقائد، نظریات و رجحانات، ماحول کے اثرات کے تحت لاکر جانچ پرکھنے کا لگا بندھا راستہ چھوڑ کر براہ راست انھیں چیزوں سے بحث کی جائے جو موصوف کے قلم سے تراوش ہوئی ہیں۔

انبہیٹہ ضلع سہارنپور کے ایک پیرزادہ کی وساطت سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے جو سرسید کی مراسلت ہوئی یا مولوی ممتاز علی کو انہوں نے ایک مکتوب میں جو کچھ لکھا یا ان کی تقاریر میں جن خیالات کا اظہار ہے وہ سرسید کو معلوم کرنے اور پہچاننے کے لئے کافی ہیں۔ یہ بحث ضرور اٹھے گی۔ اور اٹھائی جائے گی کہ سرسید اور متعارف علماء کے درمیان طریق کار سے ہٹ کر بنیادی اختلاف کیوں ہوا؟

بحث کے اسی مرکزی حصہ کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے کچھ تفصیل ضروری ہے، جیسا کہ معلوم ہے کہ مسلمانوں کی طویل حکمرانی ہندوستان میں ختم ہو رہی تھی، شوکت شاہی و سطوت شہنشاہی کی وہ بساط جس پر بیٹھ کر دماغی عیاشی نے ہر صلاحیت و توانائی پر جمود و تعطل کی گہری چھاپ ڈال دی تھی، یکسر الٹ دی گئی، ایک تہذیب رخصت ہو رہی تھی۔ نیا تمدن ابھی جگہ قدم جما رہا تھا اور یہ بھی سامنے دیکھ کر کہ آنے والا تمدن جانے والی تہذیب کا بلا واسطہ قاتل تھا۔ اس لئے جانے والوں کے قلب و دماغ میں آنے والوں کے لئے نفرت و تنفر کا شدید جذبہ پیدا ہونا ناگزیر ہے۔ ہندوستان

کا اکثریتی فرقہ جو آمد آیا اور رفت گیا کا طویل دور دیکھ چکا تھا اس کو نہ کسی شہنشاہیت کے فنا پر اشکِ خونیں بہانے تھے اور نہ نئے نظام سے سراسیمگی کیوجہ۔ وہ ساز کا عادی تھا، سوز سے نہ آشنا ساخت و پرداخت کا خوگر، کھنڈرات پر ماتم کا عادی نہیں، ٹھیک اسی کشمکش میں دو فکر ابھر کر سامنے آئے ایک کا تمام تر خیال دین بچاؤ اور اپنی گئی ہوئی سلطنت کو واپس لانے اور لینے کے لئے جد و جہد۔ دوسرے فکر کا محور یہ تھا کہ جو کچھ ہو چکا ہو چکا۔ ماضی پلٹ کر نہیں آسکتی اس لئے اب حال سے روشن مستقبل کی تعمیر میں قومی فلاح کا راز مضمر ہے۔

اول الذکر نظریہ خانوادہ شاہ ولی اللہ سے چلا اور ہندوستان کی آزادی پر نمٹ نمٹا کر رہ گیا۔ یاد رہے دارالعلوم دیوبند اور ہزار ہا ہزار ہندوستان میں پھیلی ہوئی اپنی درسگاہیں، ان کا فکری سرمایہ اور جہد مسلسل کی اساس شاہ صاحب کے افکار سے استحکام پاتی ہے۔ ثانی الذکر فکر کی گردش سرسید کی شخصیت اور انھیں کے اطراف میں گھوم جانے والی کائنات ہے۔

دینی حلقہ میں فرنگی اقتدار سے جو بغض و عناد پیدا ہو گیا تھا اس کی داستان دلچسپ بھی ہے اور عبرت انگیز بھی۔ اور اسے آپ کیا کہیئے گا کہ ہندوستان کے ایک لغت نویس نے "فرنگی" سے تعارف کراتے ہوئے کلمات وہ اختیار کئے جنھیں پڑھ کر بے اختیار ہنسی آتی ہے لکھا ہے کہ ؛

"فرنگی یکے از حیواناتِ بحر است کہ گاہ گاہ با ساحل نظر می آید" یعنی فرنگی ایک سمندری جانور ہے جو کبھی کبھی ساحل پر نظر آتا ہے۔ صاحب لغت کی اس علمی کاوش پر مطلع ہونے کے بعد غریب مولویوں کی عداوتی داستان کی توجیہہ بڑی آسان ہوگئی۔

مولانا محمد اسماعیل علیہ الرحمۃ جو رئیس التبلیغ مولانا الیاس صاحب کاندھلوی کے نامور باپ ہیں۔ کاندھلہ میں اپنی ہزاروں بیگہ زمین کی بربادی پر صرف اس لئے خاموش رہے کہ انگریز کی عدالت میں جانا ہوگا اور اس کی ناپسندیدہ صورت دیکھنا پڑے گی، انھیں مولانا الیاس صاحبؒ کو بچپن میں عید کے دن شیروانی پہنائی گئی جس میں ولایتی بٹن لگے ہوئے تھے مرحوم اپنے نانا کو عید کا سلام کرنے پہونچے تو بجائے جواب کے کچھ دیر بعد منظر یہ دیکھا گیا کہ نانا اپنا رخت سفر باندھ رہے ہیں پوچھنے پر بتایا کہ اب ہجرت کی نیت کرلی۔ ہمارے گھر ہی میں ولایتی سامان استعمال ہونے لگا۔

پانی پت کے مشہور محدث قاری عبدالرحمنؒ سے دارالعلوم دیوبند کا ایک فاضل اپنی سند

پر تبرکاً دستخط لینے کے لئے جا پہونچا درخواست مسموع ہوئی لیکن غضب یہ ہوا کہ طالبعلم نے دستخط کے لئے قاری صاحبؒ کو جو قلم دیا وہ ولایتی فونٹین پن تھا اس جسارت و گستاخی پر پانی پت کا یہ محدث آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ فرمایا:

"دارالعلوم سے آئے ہو اس نسبت کے احترام میں تمہاری سند نہیں پھاڑتا ورنہ ولایتی فونٹین پن کے استعمال کے جرم میں تمہارے فضیلتی فراغتی کاغذ کے پرزے کرکے تمہارے منہ پر دے مارتا۔"

پھر یہ بھی یاد رکھیئے کہ تشدد جو اس راہ میں برتا جا رہا تھا وہ مبنی بر مصلحت بھی تھا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ جو بلاشبہ خاندان ولی اللٰہی کے گل سرسبد، علم و فضل کا بحر ذخار اور دین و دانش میں یکتا ہیں ان سے متعلق عجیب و غریب واقعہ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ درس ہو رہا تھا اچانک دہلی کے چند افراد ایک ضعیف العمر شخص کو لیکر آ پہونچے عرض کیا کہ یہ بڑے میاں ایک فرنگی کے ہاں ملازم ہیں۔ انھوں نے آج اس کی جھوٹی چائے پی لی۔ شاہ صاحب نے واقعہ کی تفصیل سن کر زور سے انا للٰہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ پھر فرمایا:

"اوہو بڑی خطرناک بات پیش آگئی مسئلہ اتنا الجھا ہوا ہے کہ کوئی فیصلہ کرنے کے لئے مجھے کتابیں دیکھنا ہوں گی وقفہ ڈال کر آؤ۔"

لکھا ہے کہ آنے والے حیران و پریشان بوجھل قدموں کے ساتھ نکل گئے، دو روز کے بعد پھر بڑے میاں کو کشاں کشاں لئے مجلس درس میں پہونچے شاہ صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا:

"اوہو بڑی خطرناک بات پیش آگئی اچھا ان بڑے میاں کو غسل کراؤ۔"

غسل کے بعد تجدید ایمان اور دوبارہ نکاح پڑھا کر عہد لیا کہ آئندہ کسی فرنگی کا جھوٹا نہ کھائیں گے پیئں گے۔ موجود طلبہ اس سارے تماشہ کو حیرت کیساتھ دیکھ رہے تھے جب وہ رخصت ہوگئے تو عرض کیا کہ حضرت "اہل کتاب" کا جھوٹا تو کھایا پیا جا سکتا ہے پھر آپ نے پاپڑ کیوں بیلے؟ اس شاہ صاحبؒ کا جواب سننے کے قابل ہے۔ فرمایا:

"مسئلہ تو یوں ہی ہے جیسا کہ تم کہتے ہو مگر میں اگر کچھ چھوٹ دیتا تو آئندہ خدا جانے خلاء ملا کا کیا عالم ہوتا اس لئے برہنائے احتیاط یہ سب کچھ کیا۔"